انجمن اسلام (بمبئی) سلسلۂ تقاریر سیرت ۱

سیرتِ نبویؐ

کے

مطالعے کی دعوت

مولانا ابوالحسن علی ندوی

کا

خطبۂ افتتاحیہ

انجمنِ اسلام
۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۱

انجمن
اسلام

قیمت : 2/00

پہلی بار نومبر ۱۹۸۱ء

تعداد ۱۰۰۰

برٹی آرٹ پریس (پرنٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ)، پٹودی ہاؤس، دریاگنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی

پیش لفظ

انجمنِ اسلام بمبئی سے میرا تعلق گزشتہ چار دہائیوں سے چلا آرہا ہے۔ مسلمانانِ بمبئی کا یہ ادارہ جو اپنی زندگی کی ایک صدی پوری کرچکا ہے، اپنے متعدد تعلیمی اداروں کے ذریعے مغربی ہند کے مسلمانوں کی تعلیمی اور سماجی خدمات انجام دے رہا ہے۔

اب سے چند سال قبل جب انجمن اسلام کی صدارت مجھے تفویض ہوئی تو میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انجمن جیسے ادارے میں علاوہ اس کے اور کاموں کے سیرتِ نبوی کے مطالعے کا کوئی مستقل انتظام مناسب ہوگا۔ اس باب میں اپنے محترم دوست جناب سیّد شہاب الدین دسنوی صاحب سے مشورے کے بعد طے پایا کہ سیرتِ نبوی کے مطالعے کی ایک موزوں صورت یہ ہوسکتی ہے کہ "سلسلۂ تقاریرِ سیرت" کے نام سے ہر سال سیرتِ نبوی کے متعلقہ موضوعات میں سے کسی ایک

موضوع پر کبھی اُردو میں اور کبھی انگریزی میں ممتاز اہلِ علم اصحاب میں سے کسی کی تقریر کا انتظام کیا جائے اور ان تقریروں کا مسودہ حاصل کر کے انھیں کتابچوں کی صورت میں شائع بھی کیا جائے۔

توفیقِ ایزدی سے میں نے اس مبارک کام میں پہل کی اور ایک چھوٹی سی رقم اس شرط کے ساتھ انجمنِ اسلام کے حوالے کی کہ اس رقم کو بطور محفوظ سرمایہ جمع رکھا جائے اور اس سرمایے کی آمدنی تقاریرِ سیرت کے سالانہ انعقاد اور بعد میں تقریروں کی اشاعت پر صرف کی جائے۔ میں انجمنِ اسلام کا ممنون ہوں کہ اس نے میری پیش کش منظور کی اور اس سرمائے کی بنیاد پڑگئی۔ اس کام کو شروع کرتے وقت یہ توقع تھی کہ اس سرمائے میں دھیرے دھیرے اضافہ ہوگا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ توقع صحیح ثابت ہوئی اور یہ محفوظ سرمایہ جس کی ابتدا دس ہزار روپے سے ہوئی تھی بلا کسی خاص کوشش کے مزید عطیات سے اب دوگنا ہوگیا ہے۔

میری یہ بھی خواہش تھی کہ اس مبارک سلسلے کا آغاز حضرت سیّد ابوالحسن علی میاں ندوی کے ہاتھوں کیا جائے۔ حضرت علی میاں مدظلہ العالی کی ذات کسی تعارف

کی محتاج نہیں اور جس ادارے سے ان کا تعلق ہے اُس کے فرزندان نے اور خود موصوف نے سیرتِ طیبہ کی شان دار خدمت کی ہے، لہٰذا اس کام کے لیے ان سے بہتر شخصیت کا انتخاب مشکل تھا۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ آنجناب نے میری دعوت پر افتتاحی خطبہ دینے کا وعدہ فرمایا اور گو موصوف کی مصروفیات اور مسلسل سفر کی وجہ سے اس کام میں قدرے تاخیر ضرور ہوگئی۔ مگر بالآخر ۱۲رجون ۱۹۸۰ء کو بعد نماز عصر انجمنِ اسلام بمبئی کے ہال میں علم دوست اصحاب کے ایک مجمع میں آپ نے ایک افتتاحی خطبہ دیا۔

اس خطبے کا کوئی مسودہ موجود نہ تھا مگر تقریر کی صدابندی کرلی گئی تھی اور اس ٹیپ (Tape) کی مدد سے بعد میں مسودہ تیار کیا گیا اور حضرت علی میاں نے بہ کمالِ عنایت اس پر نظرِ ثانی بھی کی اور اب وہی افتتاحی خطبہ "سیرتِ نبوی کے مطالعے کی دعوت" کے عنوان سے اس کتابچے کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس اشاعت کا مقصد ایسی تقاریر کو ان سامعین کے علاوہ جو تقریر کے موقعے پر موجود ہوں اور اصحاب تک پہنچانا ہے تاکہ زیادہ وسیع حلقہ اس مفید مواد سے مستفید ہوسکے۔

کاغذ و طباعت کی گرانی کے اس دَور میں ان کتابچوں

کی قیمت رکھنا ضروری ہوگیا ہے مگر یہ کتابوں کی تجارت کا کوئی سلسلہ نہیں ہے بلکہ کم سے کم داموں پر اسے قارئین تک پہنچانا مقصود ہے۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ بعض اصحابِ خیر نے ان کتابچوں کی اشاعت کے اخراجات میں حصہ لینا قبول کیا ہے۔ بعض دوستو کا یہ بھی خیال ہے کہ اصحابِ خیر ان کتابچوں کے نسخے حسب ضرورت خرید کر اپنے اعزہ اور احباب میں تقسیم کریں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عید اور بقرعید کے موقع پر اپنے اعزہ اور احباب کو عید کی مبارکباد کے لیے آج کل جو قیمتی کارڈ بھیجے جاتے ہیں ان کی بجائے ان کتابچوں کے نسخے بھیجے جائیں۔

اس خطبۂ افتتاحیہ کے مواد کے متعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ میں اس کی جرأت کروں گا۔ البتہ اس کا جو عنوان قائم کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ خطبہ سیرتِ نبوی کے مطالعے کی دعوت ہے اور ہر مبارک کام کے آغاز میں جو حُسنِ نیت کے ساتھ کیا جائے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس میں کامیابی حاصل ہوگی۔ اس طرح مجھے یقین ہے کہ اس دعوت کا خاطر خواہ جواب ملے گا اور حضرت علی میاں کے الفاظ میں اس مکتبِ حُسن، اس مکتبِ عشق، اس مکتبِ عقل و علم اور اس مکتبِ انسانیت آموزی کے طالبانِ علم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔ انجمن اسلام اپنے اس سلسلۂ تقاریرِ سیرت کے ذریعے

اس تعداد میں جس حد تک اضافے کا باعث بن سکے اس کے لیے فخر و مسرت کی بات ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ توقعات پوری کرے۔ ایک طرف اس کام کے لیے مخصوص و محفوظ سرمایے میں اضافہ ہو اور دوسری طرف سیرتِ نبوی کے مطالعے کا شوق بڑھتا جائے۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء

معین الدین حارث
صدر انجمن اسلام۔ بمبئی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حضرات!

عام مسلمانوں کے لیے مجموعی طور پر اور اہلِ بمبئی کے لیے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے، میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرتِ نبویؐ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ، فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندستان میں انجام پایا ہے، ہم ہندستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے: "قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً[1]" جو مکانی حیثیت سے پورے کرۂ ارض اور زمانی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے، اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصرِ جدید کے اسلوب اور تقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ کی "رحمۃ للعالمین"، علامہ شبلی نعمانی کی جن کا نام ابھی لیا گیا "کتاب سیرت النبیؐ" مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی کتاب "اصح السیر" سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی

---

[1] الاعراف.....

شان رکھتی ہیں، لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "خطبات مدراس" ہے، دنیا کے مسلمان جو زبانیں بولتے ہیں اُن میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں۔ مختلف اسلامی زبانوں اور متعدد مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرت النبیؐ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا، اس سے انتساب رکھنے والے فرد کے لیے اور خاص طور پر اگر اس کے قلم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو، بہت آسان ہے کہ وہ سیرت پر گفتگو کرے اور سیرت نبویؐ کو پیش کرے، لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں، مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات سہولت کی باعث نہیں بلکہ دُشواری کی باعث ہے، اس لیے کہ جس کو سیرت پر قلم اُٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس سے سیرت پر بلند ترین اور منتخب ترین لٹریچر شائع ہوا۔ اس کا معاملہ سیرت نبویؐ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے کہ ؎

داماں نگہ تنگ وگُل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو، ز داماں گلہ دارد

وہ سوچتا ہے کہ وہ اس مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے اور کس چیز کو لے اور کس چیز کو چھوڑ دے۔ جس طرح کہ گلچیں کے لیے دُشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے۔ اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے، اس چمن کے پھولوں سے کس طرح

سجائے، بالکل اسی طرح کی آزمایش آج میرے لیے بھی ہے، میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرتِ نبوی کو اوّل سے آخر تک سبق کی طرح سُنا دوں، آپ حضرات اہلِ علم ہیں اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں، اور گزرتی رہتی ہیں، میں اپنی سب سے بڑی سعادت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہوجائے، اور یہ احساس پیدا ہوجائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے، ابھی آپ نے اس گلستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے اور یہ کہ آپ اس مکتبِ حسن، اس مکتبِ عشق، اس مکتبِ عقل و علم، اس مکتبِ انسانیت آموزی کے طالب علم ہیں، میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مُبارک باد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ لیا جائے، اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لیے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کو اس مکتبِ عشق میں طالب علم بننے کے لیے قبول کرلیا جائے، ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مُبارک ہوگا، اور اس کے بانی صد ہزار مُبارکباد کے مستحق ہوں گے۔ اگر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہوجائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے!

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقامِ بلند حاصل ہے، جو ذمّے داری اس کے سپرد کی جاتی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوعِ انسانی کے لیے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلۂ انسانیت کے سفر کے لیے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی

رہنمائی حاصل نہیں - میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈالوں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے ؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لیے کس طرح کی شخصیت درکار ہے ؟ آنحضرتؐ کو انبیائے کرام کی صف میں اللہ تعالےٰ نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپؐ کے حصّے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لیے کہ نبوت کا کام ضروری ہے اور اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لیے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کون سی مہم ہے جو نبی ہی انجام دیتا ہے اور وہ کون سا خلاءُ ہے جو وہ تنہا پُر کرتا ہے، اس کے لیے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے ایسے عقدے اور ایسی گتھیاں سُلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سُلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سُنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا، وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے، برسات کا موسم تھا سُہانا وقت تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور فرصت کے دن تھے، ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اُٹھائیں - ایک کشتی انھوں نے کرائے پر لی، اس پر سوار ہوئے، دریا بھی روانی پر تھا اور ان کی طبیعت بھی مَوج پر تھی، وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انھوں نے ملاّح کو اپنا مخاطب بنایا، اس سے پوچھا (چچا یا دادا کہہ کر مخاطب کیا) آپ کی عمر کیا ہے ؟ وہ بے چارہ، بے پڑھا آدمی تھا۔ اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک

نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کرلیا اور مجھے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا! آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا؟ بیچارے ملاّح نے کہا کہ میں نے اُس کا نام ہی نہیں سُنا، پہلے تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کسی آدمی کا نام ہے، یا کسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا، پھر ان لوگوں نے جیومیٹری کو پوچھا اور ان کے کالج یا یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے ان تمام مضامین (subjects) کا انھوں نے باری باری سے نام لیا، اور اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا، وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا، اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے، عمر تو پہلے پوچھ لی تھی، کہنے لگے کہ آپ نے تو اپنی آدھی عمر کھودی ہے، آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں۔ خیر دریا اس وقت مزے میں تھا، موجیں اُٹھ رہی تھیں، اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی، اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں، اور کشتی ڈانوا ڈول ہونے لگی، کبھی اِدھر جھکتی تھی کبھی اُدھر جھکتی تھی، اب اس ملاّح کی بن آئی، خدا کو اُس کی عاجزی پر اور اُس کی بے زبانی پر رحم آیا، اب ملاّح کی باری آئی، اُس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے، پیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی اُلٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہنچو گے؟ انھوں نے کہا کہ پیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملاّح نے کہا کہ چچا تو تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

انھوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی، اور اس ملاح نے کہا کہ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، اگر کہیں کشتی اُلٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا' یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے میں اس کی مچھلی ہوں، مگر تم نے جو بڑے بڑے ڈراؤنے نام لیے تھے، (اتنی جلدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی' یہاں تو سیدھا سادھا پیرنا کام آئے گا، جس کو پیرنا آتا ہے یا آپ یوں کہہ لیں کہ جس کو پیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچالے گا اور دریا پار کرلے گا' یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے وہ کشتی کنارے لگا دے گا لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور پیرنا ہی نہیں آتا ہے، زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اس کی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں، بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے' ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی' بڑی بڑی کتابوں کے مصنف، دُنیا کے دانش ور، فلسفی، حکیم' ریاضی داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں' یہاں انجمن اسلام اور اس کے اسکول کے بالکل سایے کے نیچے بیٹھ کر یہ گزارش کر رہا ہوں۔ ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں۔ خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے، اور میں جو آپ

کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں، اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی، لیبارٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جا سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں نے بارہا اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور ببانگِ دہل کہا کہ اے دانشورو! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! اے زمین کے خزانوں کو اگلوا دینے والو! آسمان سے تارے توڑ کر لانے والو! اور اے چاند کی سطح پر پہنچ جانے والو! تم سب خطرے میں ہو، جب تک تم کو شناوری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائقِ اوّلین جن پر زندگی کی بنیاد ہے، اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے، اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں، وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں: "انما انا بشر مثلکم یوحی الی" (۱۸:۱۱۰)۔ (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے اور سب کچھ سیکھ لیا ہے، وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے، اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے۔ اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے، علمی مرکز ہے تو خطرے میں ہے، کوئی تجربہ گاہ ہے

تو خطرے میں ہے، قیادت کے مقام پر ہے تو خطرے میں ہے، میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبیؐ کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی) سہارا لیا ہے۔ آج بھی دُنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے، کتنی وسیع، کتنی عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے۔ زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمّے داری ہے، اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لیے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لیے کن بُنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے اس متمدّن اور ترقی یافتہ دَور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں، پیغمبر خاص انکشافات کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے، وہ بہت بڑی ذہانت، موشگافی، بال کی کھال نکالنے کے بھی مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جا سکتا ہے، اگر تمھیں زندگی عزیز ہے، اور اگر تم انسانوں کی طرح اس دُنیا میں رہنا چاہتے ہو، اگر تمھیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو، اگر تمھیں خالقِ کائنات کو صحیح طور پر سمجھنا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لیے حاضر ہیں، ہمیں خدا نے اس خدمت کے لیے مامور کیا ہے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے

ہیں، نہ کسی فخر و تعلّی سے، بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں۔ ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دُنیا کو کس نے بنایا اور کس لیے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصدِ زندگی سے غافل ہو، تو ان کمالات و ترقیات، اور تسخیرِ کائنات سے کیا حاصل؟ بقولِ اقبالؔ ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو۔ تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس سطحِ زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانش ور سے بہت فخر و ناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں، ہم نے بلند پروازی اور تیز رفتاری کے کیسے کیسے رکارڈ قائم کیے ہیں، مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمھیں فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اُڑنا آگیا اور تمھیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آگیا، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا تمھیں زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا بھی آیا؟ تو پیغمبر بغیر کسی کسر و انکسار کے

یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کیے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہا جاتا ہے، دُنیا کے اس سفر کو کامیاب طریقے پر طے کر کے کس طرح اپنے مالک کے پاس انعام لینے کے لیے جایا جاتا ہے، ہم یہ فن بتاتے ہیں نہ کم نہ بیش، یہ ہے نبوت کا وہ کارِ خاص جو نبوت اور انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہؐ کی عظمت اور آپؐ کی انفرادیت سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپؐ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ آپؐ اور آپؐ کے مقدس رفقاء جن کو انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں (اللہ کا درود وسلام ان سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے آئے ہیں، اس کے لیے میں نے ایک حقیر سی کہانی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ ملاح تھا تو دو ٹکے کا آدمی، لیکن ان نوجوانوں کے مقابلے میں جنھوں نے اپنے دماغ میں لائبریریوں کی لائبریریاں اتاری تھیں، اور جنھوں نے فلسفے کے سمندر پی لیے تھے، جن کو دنیا کی تاریخ پوری یاد تھی، وہ اس کم سواد بلکہ بے سواد ملاح کے سامنے بے حقیقت انسان تھے، ان کی زندگی خطرے میں تھی، وہ کشتی پر سوار تھے، ان کی قسمت کشتی سے وابستہ تھی اور کشتی کی قسمت اس فنِ ملاحی سے وابستہ تھی اور وہ اس سے ناآشنا تھے، یہ ہے نبوت کا کارِ خاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبیؐ کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی ہے اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، ان کے پیچھے اور کون سی طاقتیں کام کر رہی ہیں، ہم

ان کو دیکھتے نہیں ہیں، اس قانونِ تکوینی (Natural Laws) کے پیچھے کوئی اور طاقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بچا رہا ہے، سورج کی حرارت کو اس سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتا جو کہ اس زمین کو خاک سیاہ کردے، زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موٹا ہونے نہیں دیتا کہ یہ زمین ڈوب جائے، سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے اس تناسب میں ذرا سا فرق آنے نہیں دیتا۔ اگر آپ کریسی کی کتاب Man Does Not stand Alone (انسان اکیلا کھڑا نہیں ہے) کا مطالعہ کریں۔ (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ پڑھا ہوگا) تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ اس دنیا کو کس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد عناصر ہیں، آگ اور پانی کا یہ مجموعہ کس طرح چل رہا ہے۔ سلبی اور ایجابی (Positive and Negative) مثبت اور منفی طاقتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور تعاون کے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان میں کسی وقت ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے۔ ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی، ان میں کہیں بڑی ناہمواری نہیں پیدا ہوتی، نشیب و فراز نہیں پیدا ہوتے، کوئی چیز اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی، اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرنے پاتی، اس حقیقت کے جاننے کا نبی کے پاس کیا ذریعہ ہے اور یہ کہنے کا اس کو کیوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لیے میں پھر ایک واقعہ کا سہارا لوں گا مگر اس مرتبہ یہ واقعہ ہندستانی کہانیوں اور ہماری نصابی

کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرتِ نبوی کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین (اے محمدؐ آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو ڈرا دیئے) نازل ہوئی، مکہ معظمہ کی اس سادہ اور محدود زندگی میں جس میں ابلاغ و اطلاع کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے۔ وقت کم اور مکہ کی آبادی پھیلی ہوئی اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے پوری آبادی کو جو کہ مکہ کی وادی میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی، سب کو کیسے جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباء و اجداد نبوت کے مفہوم اور غیبی حقائق سے نا آشنا تھے، ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے۔ یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا جو بڑے سے بڑے دماغوں کو بھی شل کر سکتا تھا، اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا، لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صحیح راستہ بتایا، آپؐ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے، آپؐ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں گے، انھوں نے صفا کو دیکھا ہوگا، آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے اس کی حالت دوسری تھی، آج سے پچاس سال سے پہلے بھی وہ کچھ اور تھا۔ کوہ صفا پر آپؐ چلے گئے۔ وہاں آپؐ نے ایک آواز بلند کی "یا صباحاہ" یہ ایک جملہ تھا جو اپنے اندر معانی کا ایک دفتر رکھتا تھا، اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لیے ایک نوٹس تھا اور وہ خطرے کی گھنٹی تھی، یہ ایک ایسا جملہ تھا جس سے عرب کی ایک پوری تاریخ وابستہ تھی، وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے پر دوسرے قبیلے کا حملہ ہوتا تھا، جو ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ "میرا گھوڑا جب جوان ہو جائے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ کہیں لڑائی

چھڑ جائے "تاکہ میں اپنے گھوڑے کے جوہر دکھا سکوں"۔ ان کا تو یہ کھیل تھا۔ اس موقع پر کوئی شخص کسی بلند جگہ پر چلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ "یا صباحاہ" (خطرہ ہے ! خطرہ ہے !) لوگ جمع ہوجاتے تھے، چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپؐ کی آواز پہچانی انھوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (یہ اس دُنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے)۔ "بھیڑیا آیا! بھیڑیا آیا!" کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے۔ اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور سچ مچ بھیڑیا آیا اور کھا گیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں، لیکن یہ چالاکی ان کے اندر نہیں تھی، وہ سیاسی پروپیگنڈے سے ناآشنا تھے، تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا "یا صباحاہ"۔ عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے، اسی بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیات سے اس کو مناسبت نہیں، یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے، اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا۔ بہرحال آپ نے آواز لگائی "یا صباحاہ" اور سارا مکہ دوڑ کر کوہِ صفا کے دامن میں جمع ہوگیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ کون ہے؟ پہچان تو لیا انھوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہوگیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے، اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے، کدھر سے حملہ کرنے والا ہے؟ آپؐ نے عجلت سے کام نہیں لیا، فرمایا لوگو! تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، لوگوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (سچ بولنے والا اور امانت دار)۔ یہ پہلا اسٹیج تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ

ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو، وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ دکھانے کے لیے کھڑا ہو، تو پہلے اس کے متعلق یہ اطمینان کرلینا چاہیے کہ وہ کیسا ہے۔ بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لیے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا؟ لوگوں نے کہا کہ سچّا اور امین۔ فرمایا کہ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جو رات کے اندھیرے میں یہاں آکر چھپ گیا ہے، تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کروگے؟ عرب کے لوگ زیادہ تر ناخواندہ تھے اور فلسفے وغیرہ علوم سے ناآشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دولت دی تھی جس میں وہ دُنیا کی قوموں میں (جو تمدّن کی بیماریوں میں مبتلا ہوچکی تھیں اور جنھوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ وہ فطرتِ سلیم رکھتے تھے، اور فطرتِ سلیم یا عقلِ سلیم اللہ کی بڑی نعمت ہے، ذہانت سے بڑھ کر عقلِ سلیم (Common sense) چاہیے، انھوں نے فوراً صورتِ حال کا جائزہ لیا، انھوں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور ایک شخص پہاڑ کے اوپر کھڑا ہوا ہے، پہاڑ کے نیچے کے حصّے کو بھی دیکھ رہا ہے، سامنے کے حصّے کو بھی دیکھ رہا ہے، تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہاڑ کے عقب (پیچھے) میں ایک لشکر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹلانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے، ہمیں دکھلایئے! اس لیے کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ کے اوپر، ان کی عقلِ سلیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، ہمیں یہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب یہ مرحلہ طے ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر میں تمھیں بتاتا

ہوں کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو، تمھارے جو عقائد ہیں، تمھارے جو اخلاق ہیں، تمھارا جو ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہے، تمھاری زندگی کے جو مقاصد بن گئے ہیں، تمھارا جو طرزِ زندگی ہے وہ حقیقی خطرہ ہے، اور ہزار دشمنوں اور ہزار لشکروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم کس دشمن سے ڈر رہے ہو؟ اس دشمن سے جو آئے گا اور سَو دو سَو اونٹوں کو ہنکا کر لے جائے گا، اور دس بیس آدمیوں کو مار دے گا اور تھوڑا سا مالی نقصان اور جانی نقصان پہنچا دے گا! میں تمھیں اُس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمھارے دلوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ تمھارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھاؤنیاں قائم کر لی ہیں، وہ تمھارے گھروں کے اندر موجود ہے اس حقیقی اور جان لیوا دشمن سے ڈرو، یہ تمھارے غلط عقائد، تمھاری خطرناک جہالت، تمھارا قہرِ خداوندی کو بھڑکانے والا اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرزِ زندگی ہے، یہ تمھاری نفس پرستی، ہوا و ہوس اور محض نائے و نوش اور "بعیش کوش" کے فلسفے والی زندگی ہے، یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی اور آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں، بلکہ خود ساختہ قوانین اور ذاتی معاملات چلا رہے ہیں۔ یہ نبوت کی حقیقت ہے۔ آپؐ نے چند لفظوں میں اور ایک عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اس عالمِ شہود اور اس عالمِ محسوسات سے پرے بھی دُنیا ہے۔ اس کے پیچھے حقائق کی ایک دُنیا ہے، موجدِ کائنات ہے، خالقِ کائنات ہے، اس کی ذات ہے، اس کی صفات ہیں، اس کا طریقۂ کار ہے، اس کے افعال ہیں، اس کا انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے، اس کی مرضیات و نامرضیات

کا ایک سلسلہ اور نظام ہے" اس تفہیم کے لیے اس سے بہتر اور کوئی عام فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہو سکتا تھا، نہ صرف عرب کی اس محدود زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

حضرات! وقت کم ہے اس لیے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کہ انسانوں کی زندگی تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں، انسانوں کے مسلّمات (جن چیزوں کو انھوں نے سمجھ لیا کہ زندگی کے لیے ناگزیر ہیں) خواہ وہ معیارِ زندگی ہوں، خواہ وہ مقاصدِ زندگی ہوں، خواہ وہ دولت ہو، خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو، خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو، خواہ وہ اپنی برتری کا اظہار ہو۔ ان چیزوں کو یکسر بدل دینا انسان کی قلبِ ماہیت کر دینا، انسان کو اندر سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے، یہ کھیل نہیں ہے، یہ ارادۂ الٰہی، خدائی فیصلے، خدا کی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدا کی مدد ہوتی ہے، اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہندستان کی عظیم ترین اور طاقت ور ترین شخصیتوں نے چاہا کہ چھوت چھات دور ہو جائے نابرابری دور ہو جائے، اور مساوات و اشتراکیت کا دور دورہ ہو، یہ بھی نہ ہو سکا اور جہاں ہوا وہاں جبراً و قہراً ہوا ہے، اگر اس معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ابھی بغاوت کرنے کے لیے تیار رہے، کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نظام اُلٹ کر رہ گیا اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے، چھوت چھات آج تک دور نہیں ہوئی، تلک کی رسم میں

نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لیے کیا اصطلاح ہے اور میری دعا ہے کہ آپ کے یہاں یہ بیماری نہ ہو لیکن ہمارے ہندستان میں کئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لیے بَر نہیں مل رہے ہیں، جوڑا رشتہ نہیں مل رہا ہے کہ صاحب زادے اور صاحب زادے سے زیادہ ان کے "والدین ماجدین" مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کے لیے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے، امریکہ جاکر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے، اس کے لیے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے، اس کے لیے کار کم سے کم اس کے لیے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے، آج قانون بھی اس کے خلاف ہے، عقل بھی اس کے خلاف ہے، ہم اس کے نہایت مہیب اور نہایت منحوس نتائج دیکھ رہے ہیں، بڑے بڑے شریف لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں اور گھروں کی زندگی جہنّم بن گئی ہے، ماں باپ کو میٹھی نیند نصیب نہیں، لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے کوشش کی کہ شراب نوشی کی عادت ختم ہو۔ یہ مسٹر ہوور (Hoover) کے زمانے کا واقعہ ہے۔ اب تفصیلات دیکھ لیجیے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے پورے وسائل اس کے لیے استعمال کیے لیکن شراب نوشی حدِّ جنون تک پہنچ گئی، یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر کس لی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے مات کھالی، لیکن شراب پینا لوگوں نے نہ چھوڑا، وقت کم ہے اس لیے اختصار سے کام لیتا ہوں، عہدِ جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں،

اُس وقت دُختر کُشی کی رسم تھی، اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جڑیں عربوں کے مزاج میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عرب دُختر کُشی سے باز آسکتے ہیں، لیکن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لیے مکّہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی امامہ کے گھر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی۔ اس وقت صحابہ کرامؓ میں یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ یہ بچّی پرورش کے لیے ہم کو دی جائے، یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی گودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی اور سنگدل ان بچیوں کو اُٹھا کر لے جاتے تھے ایسے واقعات ہیں کہ آپ سنیں تو آپ تڑپ جائیں، حضرت علیؓ نے کہا کہ بچّی مجھے ملنی چاہیے میری بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں، آپؐ نے حضرت جعفرؓ کے حوالے کیا کہ بچّی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، اسی طرح شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونٹوں سے لگائے ہوئے جام ہٹا دیے گئے، شراب کے ظرف اسی طرح لُنڈھا دیے گئے کہ وہ مدینے کی نالیوں میں بہتی تھی۔

سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل پیغام یہی ہے، آپؐ کو ایک کام کے لیے مامور کیا گیا۔ آپؐ کے ساتھ اللہ کی تائید تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقلابِ عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے، آج لوگوں کو

مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں لیکن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کرسکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لاسکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے، خلوص کا تعلق ہے، قربانی کا تعلق ہے ان کی مثالیں دور تک نہیں ملیں گی، مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہی نابرابری ہے، وہی طبقاتی تفریق ہے، وہی انسانی آبرو وعزت کی بے قیمتی ہے، وہی انسان انسان کا بھکاری ہے، وہی انسان انسان کا شکاری ہے، وہی دولت کی حد سے بڑھتی ہوئی محبت ہے، وہی چھوت چھات ہے، وہی شراب نوشی کا جنون ہے اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں اور ہمارے ہندستان میں اُردو کا جو لٹریچر تیار ہوگیا ہے اس کا بغور مطالعہ کریں۔ اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہوجاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لیے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔ وما التوفیق الا من عند اللہ۔

ابوالحسن علی

انجمنِ اسلام بمبئی
کا
سالانہ سلسلۂ تقاریر سیرت

انجمنِ اسلام اس مقصد کے لیے مخصوص محفوظ سرمائے کی آمدنی سے

سیرتِ نبوی

یا

اس کے متعلقہ موضوعات پر

ہر سال اردو یا انگریزی میں تقاریر کا انتظام کرتی ہے
اور بعد میں ان تقاریر کو کتابی صورت میں شائع بھی کرتی ہے۔

اہلِ علم و اہلِ خیر اصحاب

سے اس مفید دینی اور علمی خدمت میں تعاون کی درخواست ہے۔

آپ اپنا تعاون ان طریقوں سے پیش کر سکتے ہیں:۔

(۱) محفوظ سرمائے کے لیے عطیات سے۔

(۲) مطبوعہ کتابچوں کی خریداری اور تقسیم سے۔